(غلام گردش)

بے جان معاشرے صرف سانس لیتے ہیں!

جارج فلائڈ(George Floyd) مکمل طور پر ناکام انسان تھا۔غربت، جہالت اور جرائم میں دھنسا ہوا آدمی۔کسی بھی قابل رشک ماضی کے بغیر سانس لینے والا ایک سیاہ فام شخص۔بنیادی طور پر اسکی پرورش ہوٹسٹن میں ہوئی تھی۔امریکی سیاہ فام کمیونٹی میں جرائم حددرجہ زیادہ ہیں۔فلائڈ بھی اسی راستہ پر چل پڑا۔منشیات، چوری، رہزنی جیسے جرائم میں عدالت کی طرف سے اسے کئی بار سزا ہوئی۔کئی سال جیل رہا۔پھر اپنے ماضی سے بھاگ کر مینی اپلیس(Minneapolis) آ گیا۔مگر بدقسمتی یہاں بھی اسکا پیچھا کر رہی تھی۔نئے شہر میں کئی کام کرنے کے باوجود وہ کافی حدتک ناکام رہا۔چوکیدارے سے لیکر ٹرک ڈرائیور، کچھ بھی راس نہ آیا۔اسے کوئی بھی نہیں جانتا تھا۔اسلیے کہ وہ حددرجہ عام سا آدمی تھا۔مگر مئی کی پچیس تاریخ کو ہر چیز بدل گئی۔صرف ایک دن بعد، یعنی چھبیس تاریخ کو دنیا کے ہر کونے میں اسکا نام گونج رہا تھا۔اسکو جس طرح قتل کیا گیا، دنیا کی سب سے زیادہ دیکھے جانے والی ویڈیو بن گئی۔ڈیرک شوون نام کے سفید فام پولیس اہلکار نے گھٹنے سے سانس بند کر کے مارا، وہ سب کچھ ایک ویڈیو کی شکل میں پوری دنیا میں ایک طوفان بن گیا۔فلائڈ کا یہ فقرہ، مجھے سانس نہیں آ رہا، ہر ملک میں لوگوں کو رُلا گیا۔فقرہ اور پولیس کی طرف سے حددرجہ زیادتی کا ردِعمل شدت سے سامنے آیا۔فلائڈ، انسانی حقوق کے حوالے سے پوری دنیا میں دیومالائی حیثیت کا حامل ہو گیا۔اصل نکتہ حددرجہ قابل توجہ ہے۔ریاستی اداروں کا جبر تو ہر ملک میں کسی نہ کسی طرح موجود ہوتا ہے۔مگر فلائڈ کی بے جا موت سے جو ردِعمل سامنے آیا ہے، وہ حددرجہ سنجیدہ اور غور طلب ہے۔ایک ایسا انسان جسکی اپنے معاشرے میں کسی قسم کی کوئی سماجی یا مالی حیثیت نہیں تھی۔ظلم، جبر اور انتشار کے خلاف ایک دیوتا کی حیثیت اختیار کر گیا۔پوری دنیا میں، نہیں میں غلط لکھ گیا۔دنیا کے اکثر مہذب ملکوں میں اس درجہ بلند آواز کا نقارہ بجا کہ کرہِ اَرض کانپ کر رہ گیا۔لاکھوں کے جلوس، لندن سے لیکر سڈنی تک سڑکوں پر آ گئے۔نسل پرستی کے خلاف اس قدر زوردار آواز آئی کہ امریکی صدر کو بھی تین گھنٹے کیلیئے حفاظتی بنکر میں پناہ لینی پڑی۔جن لوگوں کا فلائڈ سے دور دور کا کوئی تعلق نہیں ہے، وہ بھی رنگ اور نسل کے امتیاز پر طاقتور طریقے سے احتجاج کرنے لگے۔جلوسوں میں گورے، کالے، پیلے سب شامل تھے۔اسکے بعد، امریکہ اور لندن میں ایک نیا طرزِ عمل سامنے آیا۔ماضی کے تمام سیاسی رہنما جو کسی نہ کسی طرح نسلی تعصب کا عملی رویہ رکھتے تھے۔انکے مجسموں کو زمین پر چکنا چور کر دیا گیا۔اس میں ونسٹن چرچل کا بت بھی شامل تھا۔پوری دنیا کو پسینہ آ گیا۔کرسٹوفر کولمبس کے متعلق بھی منفی رویہ سامنے آیا۔اسکا مجسمہ بھی رزق خاک کر دیا گیا۔فلائڈ کی والدہ نے، اپنے بیٹے کے جنازہ کیلیئے چندہ کی اپیل کی۔صرف تین دنوں میں چودہ ملین ڈالر اکٹھے ہو گئے۔جو پاکستان ڈیڑھ ارب بنتے ہیں۔امریکی یونیورسٹیوں نے فلائڈ کے نام پر وظیفوں کا اعلان کر دیا۔لوگوں نے دھڑا دھڑ ان تعلیمی وظائف کیلیئے وسائل مہیا کر دیے۔ابھی تک یہ سلسلہ بھرپور طریقے سے جاری ہے۔فلائڈ نسل پرستی کے خلاف ایک بھرپور آواز بنکر اُبھرا ہے۔آج کے دن تک وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ آگے چل کر معاملہ کیا شکل اختیار کرتا ہے۔

مگر، عجیب سی بات ہے کہ ظلم کے خلاف بھرپور آواز، صرف اور صرف مغرب میں اُٹھائی گئی۔یورپ، آسٹریلیا اور امریکہ کے قریہ

قریہ میں میلوں لمبے جلوس نکلے۔مگر تیسری دنیا، جو شائد اب دنیا کہلانے کے لائق نہیں ہے، مکمل طور پر خاموش رہی۔فلائڈ پر ظلم کے خلاف ردِعمل کسی بھی مذہبی تعصب سے بالاتر تھا۔اس میں عیسائی، یہودی، لادین اور دیگر ادیان کے مرد اور عورتیں شامل تھے۔مگر حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ترقی پذیر معاشروں کے سنجیدہ طبقے میں کچھ بھی دیکھنے کو سامنے نہ آپایا۔اپنے ملک کی مثال سامنے رکھیے۔ ہر طرف، اس موت پر صرف اور صرف سوشل میڈیا پر ذکر رہا، مگر کوئی بیٹھک، جلسہ، کوئی جلوس یا کوئی تگڑی آواز سامنے نہیں آئی۔ایسا کیوں ہے۔ یہ سوچنے کی اصل بات ہے۔ بار بار لکھ رہا ہوں کہ ہمارے ملک میں عام آدمی کو جانور کی سطح پر سانس لینے پر مجبور کر دیا گیا ہے۔اسکی زندگی میں ہر چیز کو سماجی، حکومتی، مذہبی، مالیاتی اور لسانی مسئلہ بنا دیا گیا ہے۔ عام آدمی کو ستر برس سے کسی قسم کا سکھ چین نصیب نہیں ہوا اور آج بھی یہی صورتحال ہے۔ جب آپکو ذہنی طور پر پسماندہ رکھا جائے تو کوئی بھی طاقتور ردِعمل سامنے نہیں آتا۔ بھلا ہمارا، امریکی سیاہ فام کے قتل ہونے سے کیا تعلق، کیسی وابستگی۔اسکا دوسرا مطلب یہ بھی ہے کہ ہم بحیثیت قوم کسی قسم کے ظلم پر احتجاج کرنے کی صلاحیت کھو بیٹھے ہیں۔ ہمارے ساتھ جو مرضی ہو جائے، ہم خاموش رہتے ہیں۔ دو چار دن کا اُبال اُٹھتا ہے، پھر وہی خاموشی کا عذاب جو اس علاقے کے مقدر میں صدیوں سے لکھ دیا گیا ہے۔ چلیے، جارج فلائڈ کے متعلق بات نہیں کرتے۔اپنے قانون نافذ کرنے والے اداروں کی طرف تجزیاتی نظر اُٹھا کر دیکھتے ہیں۔آپ حیران رہ جائینگے کہ ہمارے ہاں پولیس اور دیگر ادارے، حد درجہ انسانی جان کو پامال کرتے نظر آئینگے اور انکا بال بھی بیکا نہیں ہوتا۔صرف پولیس کی چیرہ دستی کو دیکھیے تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔اس وقت چند مثالیں دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ ہمارے ہاں، ہر جبر کو ٹھنڈے پانی کی طرح پی کر برداشت کر لیا جاتا ہے۔قلم کی بے بسی دیکھیے، ہر ظلم کو ضبطِ تحریر کرنا بھی ناممکن ہے۔

2010 میں اٹھارویں ترمیم کی بدولت این۔ڈبلیو۔ایف۔پی صوبہ کا نام خیبر پختونخواہ رکھ دیا۔ویسے اٹھارویں ترمیم کے ذریعے صوبوں کو منتقل کیے جانے کے اختیارات شیخ مجیب الرحمان کے چھ نکات سے بھی زیادہ تھے۔اٹھارویں ترمیم کیا ہے۔اس سے ملک کو کیسے منظّم طریقے سے برباد کیا گیا۔اس پر کچھ دنوں میں ضرور لکھونگا۔ ہزارہ ڈویژن میں، صوبے کے نام تبدیل کرنے اور دیگر معاملات پر ایک عوامی تحریک چلی۔قیادت ایک بزرگ آدمی، بابا، حیدر زمان کر رہے تھے۔اے این پی کی حکومت تھی۔مقامی پولیس نے ایک جلسے پر فائرنگ کی، جس سے سات افراد مارے گئے، درجنوں زخمی ہو گئے۔آج تک کسی کو معلوم نہیں ہوا کہ جن لوگوں نے بے گناہ افراد کو قتل کیا، انکا کیا انجام ہوا۔تھوڑی سی مصنوعی سیاسی شعبدہ بازی اور اسکے بعد روایتی خاموشی۔ پولیس کے ظلم صرف کسی ایک صوبہ کی میراث نہیں۔تمام ملک میں ایک جیسا حال ہے۔کوئٹہ کے نزدیک خروٹ آباد کی چیک پوسٹ ہے۔ 2011 میں، تین خواتین اور دو مرد، پولیس نے اس غلط فہمی میں مار دیے کہ وہ دہشت گرد ہیں۔ فائرنگ کے دوران، ایک عورت ہاتھ اُٹھا اُٹھا کر بتاتی رہی کہ وہ غیر مسلح ہے۔مگر اسے بھی سفاک طریقے سے قتل کر دیا گیا۔صرف اور صرف میڈیا کے دباؤ میں آ کر رسمی سی کاروائی ہوئی۔ پھر آج تک معلوم نہ ہو پایا کہ خون ناحق کا کیا نتیجہ نکلا۔ حیرانگی ہوتی ہے، کہ اس واقعہ کی عدالتی تحقیقات کو وزیراعظم یوسف رضا گیلانی نے کبھی پریس اور عام لوگوں کے سامنے نہ آنے دیا۔خیر جانے دیجیے، وہ تو غیر ملکی مرد اور خواتین تھے۔انکے کیا حقوق ہونگے۔ وہ بھی ارضِ پاک میں۔

سندھ کی مثال لیجیے۔عدالتی تحقیقات کے مطابق، پولیس افسر، انوار نے، سیاسی عمائدین کے حکم پر سینکڑوں لوگ قتل کر دیے، جن

میں نقیب اللہ محسود کا خون بھی شامل ہے۔مگر آج تک اس نوجوان کے وارث، انصاف کیلئے دربدر کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔ پنجاب کی صورتحال بھی بالکل اسی طرح ہے۔ 2014 ماڈل ٹاؤن میں، سڑکوں پر تجاوزات ختم کرنے کے بہانے، پولیس کی فائرنگ سے درجنوں مرد اور خواتین، موت کے گھاٹ اُتار دیے گئے۔اس میں حاملہ خواتین بھی شامل تھیں۔سینکڑوں لوگ پولیس فائرنگ سے زخمی ہوئے۔ جناب طاہرالقادری کی پُرامن مذہبی جماعت کو حد درجہ المناک سبق سکھایا گیا۔اسکے بعد، پھر وہی حکومتی سرد مہری، کمیشن رپورٹ اور بے حسی۔نتیجہ یہ کہ آج تک طاہرالقادری اور انکی جماعت، کسی قسم کا انصاف لینے میں ناکام نظر آتے ہیں۔درجنوں اور مثالیں ہیں۔مگر میں نے ہر صوبے سے صرف ایک ایک واقعہ، قارئین کے سامنے رکھا ہے۔عرض کرنے کا مقصد ہے کہ ہم بطور شہری کبھی بھی، کسی بھی ظلم کے خلاف اکٹھے کھڑے نہیں ہوئے۔ پولیس صرف ایک استعارہ ہے۔آپ کسی بھی جانب دیکھ لیجئے۔ بالکل ایک جیسے حالات ہیں۔ چلیے، معاشی قتل کی طرف آیئے۔چینی مافیا کی کارکردگی سب کے سامنے آئی۔عمران خان نے ہمت کی اور پہلی بار، ایک سنجیدہ رپورٹ عوام الناس کے سامنے آئی۔ پڑھ کر پسینہ آ گیا کہ دو درجن مل مالکان، کس ڈھٹائی اور بے رحمی سے عوام کو لوٹ رہے ہیں۔انکے خلاف ایکشن کا اعلان بھی کیا گیا۔مگر پھر وہی روایتی طور طریقے۔ایک آئینی ادارے نے ان لٹیروں کو دوبارہ سانس لینے کا موقعہ دیدیا۔آپ کھل کر بات بھی نہیں کر سکتے۔بالکل اسی طرح، بجلی بنانے والے کارخانوں کے متعلق ہوشربا رپورٹ سامنے آئی۔جس طرح بجلی کو مہنگا کیا گیا۔لوگوں کی کھال کھینچ کر منافع کمایا گیا۔مگر وہ رپورٹ بھی لیت ولعل کرتے ہوئے سرد خانے کی نظر ہوگئی۔

عرض ہے کہ انسانی اور معاشی قتل ہمارے جیسے ادنیٰ معاشرے میں عام سی بات ہے۔حیران کن سچ یہ ہے کہ کبھی بھی عوامی سطح پر منظّم ہو کر، کوئی ردِعمل سامنے نہیں آیا۔آج تک دیکھنے یا سننے میں نہیں آیا کہ چند ہزار یا لاکھ لوگوں نے سیاسی، مذہبی اور سماجی تعصب سے بالاتر ہو کر کسی بھی ظلم کے خلاف آواز اُٹھائی ہو۔جارج فلائڈ جیسے قتل تو یہاں روز ہوتے ہیں۔اس سے بھی بڑھ کر معاشی قتال سب کے سامنے ہے۔اگر نہیں ہے تو ایک بھرپور عوامی ردِعمل۔ویسا ہی جیسا دنیا میں فلائڈ کے خون کے بعد سامنے آیا۔اصل میں، اُصول کی بنیاد پر احتجاج صرف اور صرف زندہ قومیں کر سکتی ہیں۔صرف سانس لینے والے معاشرے مکمل طور پر بیجان اور بے حیثیت ہیں۔یقین نہیں آتا، تو اپنے ملکی حالات کو دیکھ لیجئے، شائد یقین آ جائے!

راؤ منظر حیات